انتظار کی تھکن

اور کیا کبھی ایسا ہوسکتا ہے کوئی کسی کا انتظار کر رہا دنوں، ہفتوں، سالوں اور مہینوں سے۔

اور وہ نہ آئے۔

وہ جس کا انتظار کیا جارہا ہو۔

اور اسے پتا بھی ہو کہ کہیں دور کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے، اور پھر بھی وہ نہ آئے۔

اور کیا ایسا ہوسکتا ہے۔

رباب کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے کوئی ساتویں بار سوچا۔ اور پھر خود ہی میرے دل نے اس کی تردید کر دی نہیں۔

"ایسا نہیں ہوسکتا۔

ربی کا انتظار ضرور ختم ہوگا اور وہ ضرور آئے گا۔ آخر کو وہ، اسے انتظار کرنے کو کہہ گیا ہے۔ اور رباب کو اس پر بڑا یقین ہے۔

لیکن پتا نہیں کیوں، مجھے یقین کیوں نہیں آتا۔ شاید اس لیے کہ اس نے آنے میں دیر کر دی ہے۔

اگر اسے لوٹ کرنا آنا ہی تھا تو پھر اس نے اتنی دیر کیوں کی۔

"ربی۔"

میں نے کپڑوں کی الماری صاف کرتی ربی کو آہستہ سے بلایا۔

"ہوں۔" اس نے مڑ کر مجھے دیکھا۔

"ربی! وہ تمہیں خط تو لکھتا ہوگا۔ کیا کہتا ہے، وہ اتنی دیر کیوں کی اس نے۔"

"نہیں خط تو اس نے کبھی نہیں لکھا۔"

"پھر بھی...... پھر بھی تم اس کا انتظار کر رہی ہو پگلی لڑکی۔"

میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں اس نے کہا تھا کہ اسے وقت لگے گا میں گھبراؤں نہیں۔ بس خاموشی سے اس کا انتظار کروں۔ دراصل۔"

وہ الماری کی پٹ یونہی کھلی چھوڑ کر میرے پاس آ بیٹھی۔ "اس کا خاندان بہت بڑا ہے۔ اور وہ پورے خاندان سے ٹکر نہیں لے سکتا اور پھر سب سے زیادہ اسے اپنی ماں کا خیال تھا۔ وہ ماں کی مرضی کے بغیر مجھے نہیں اپنانا چاہتا تھا۔ اس کی ماں...... اس کے باپ کے مرنے کے بعد بہت تھکی ہے۔ بہت محبتوں سے پالا ہے اسے۔ وہ ماں کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ بس میرا انتظار کرنا ہوگا۔ سو میں اس کا انتظار کر رہی ہوں۔"

وہ ہنسی اور اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں تارے سے دمکنے لگے۔

"اچھا اب تم اٹھو منہ ہاتھ دھو لو، میں ناشتا لگاتی ہوں۔"

"تم نے آج چھٹی کی ہے۔" میں نے سلیپر پاؤں میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو آج میری ایوننگ ہے۔"

"اور مارتھا۔"

"وہ چلی گئی ہے۔"

اور جب میں منہ ہاتھ دھو کر آئی تو وہ چھوٹی سی لکڑی کی میز پر ناشتا لگا چکی تھی۔

"آج تمہارا کیا پروگرام ہے۔"

"کچھ نہیں، آج ریسٹ کروں گی اور شام کو تھوڑی دیر کے لیے باہر جاؤں گی۔ کچھ شاپنگ کروں گی اور کل صبح واپسی۔"

"کل تم واپس چلی جاؤ گی۔"

اس کا سانولا چہرہ بجھ سا گیا۔

"تمہارے آنے سے کتنی رونق ہو گئی تھی۔ فاطمہ تم یقین کرو گی، ان چند دنوں میں

ہی تم کتنی اپنی اپنی سی لگنے لگی تھی۔ عجیب سی اپنائیت محسوس ہونے لگی تھی۔ تم سے، جیسے میں تمہیں برسوں سے جانتی ہوں۔"

"ہاں ربی! میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں۔ حالانکہ آج سے صرف چار دن پہلے تک مجھے علم ہی نہیں تھا کہ اس ہوسٹل کے چھوٹے سے کمرے میں ایک لڑکی رہتی ہے جس کے لیے میں اپنے دل میں اتنی اپنائیت محسوس کروں گی۔"

"ہاں ایسا پتا نہیں کیوں ہوتا ہے شاید روح کا روح سے کوئی پرانا تعلق ہوتا ہے۔ جو دو اجنبی شخص ایک دم سے بالکل اچانک ایک دوسرے کی کشش کے دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جب پہلی بار زین مجھے ملا تھا تو مجھے گمان تک نہ تھا کہ کبھی یہ شخص میری زندگی میں اتنا اہم ہو جائے گا کہ اس کے لیے میں اپنے سارے رشتے ناتے توڑ دوں گی۔"

"زین تمہیں پہلی بار کب ملا تھا ربی۔"

میں نے ابلا ہوا انڈا چھیلتے ہوئے پوچھا۔

پتا نہیں کیوں مجھے اس سے زین کی باتیں سننا اچھا لگتا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ زین کی باتیں کرتی رہے۔ اور میں سنتی رہوں۔ خود بخود بنا دیکھے، بنا جانے اس لڑکے کے لیے میرے دل میں محبت کے سوتے پھوٹ پڑے تھے۔ کل رات بھی جب وہ زین کی باتیں کر رہی تھی تو خود بخود اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی باتیں اور شرارتیں سننا مجھے اچھا لگ رہا تھا۔ وہ زین جو میرا کوئی نہیں تھا۔ اور یہ لڑکی جسے چار روز قبل میں جانتی تک نہ تھی یہ دونوں میرے کس قدر قریب آ گئے تھے۔ مارتھا سو گئی تھی یعنی ساتھ والے کوارٹر میں چلی گئی تھی اور ہم دونوں باتیں کر رہے تھے بلکہ وہ بولتی رہی اور میں سنتی رہی تھی۔

"زین پہلی بار مجھے یہاں ہی ملا تھا۔ یہیں اس ہاسپٹل میں۔"

اس نے چائے کی پیالی اپنی طرف کھسکائی۔

"اس وقت مجھے جاب کرتے ہوئے ابھی صرف تین مہینے ہوئے تھے اور میں پتا نہیں کیوں ذرا ذرا سی بات پر بہت گھبرا جاتی تھی۔ حالانکہ ٹریننگ کے دوران بھی ہر طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا، پھر بھی میرا مزاج پتا نہیں کیوں ایسا تھا۔ میں کبھی کسی مریض سے اس کے لواحقین سے بے تکلفی سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ حتیٰ کہ مرد ڈاکٹر سے بات کرتے ہوئے بھی میری، زبان لڑکھڑا جاتی تھی۔ ان دنوں تین چار ڈاکٹر نئے آئے تھے۔ وہ خاصا سب

ہاؤس جاب کر رہے تھے۔ وہ تینوں چاروں بہت شوخ مزاج کے تھے۔ مریضوں سے ہنسی مذاق، آتی جاتی نرسوں سے چھیڑ چھاڑ لیکن یہ بات بہر حال تھی کہ ان کا مذاق تہذیب کے دائرے سے کبھی باہر نہیں ہوتا تھا۔ ایک دو بار انہوں نے مجھے بھی مذاق کا نشانہ بنایا تھا۔ لیکن میں سنی ان سنی کر کے گزر جاتی تھی۔ جلد ہی وہ چاروں دوست یہاں ہاسپٹل میں کافی مقبول ہو گئے۔ اسٹاف سے لے کر صفائی کرنے والوں سے بھی ان کی بے تکلفی ہو گئی تھی بلکہ اگر ان میں سے کسی ایک کے ساتھ جس نرس کی...... بھی ڈیوٹی ہوتی وہ اس سے خوب گپ شپ لگاتے۔ غرض وہ سب سے ہی بے تکلف تھے۔ میں کسی سے فالتو بات نہیں کرتی تھی اور نہ ہی کسی کے پاس بیٹھ کر گپ لگاتی تھی۔ مگر اس روز جب میں ڈیوٹی آف کر کے باہر نکلی تو بالکل اچانک اس نے سامنے سے آ کر مجھے پکارا "سسٹر پلیز، ایک منٹ۔"

میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ ڈاکٹر زین تھا۔ انہی چاروں میں سے ایک۔

"جی۔" میں ہمیشہ کی طرح گھبرا گئی۔

"آپ پلیز، آپ میرے ساتھ ایک کپ چائے پئیں گی۔ وہاں سامنے والے ریسٹورنٹ میں۔"

"جی۔ آپ نے مجھے غلط سمجھا ہے سوری۔"

میں نے ایک قدم آگے بڑھا دیا۔

"نہیں پلیز رک جائیں۔ میں نے آپ کو غلط نہیں سمجھا۔ خدا کی قسم میں آپ کو بالکل بھی غلط نہیں سمجھتا۔ اگر میرے خدا کی قسم پر آپ کو یقین نہیں ہے تو آپ کے یسوع مسیح کی قسم میں تو آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔"

وہ اس طرح تیز تیز بول رہا تھا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔

"اچھا۔ میں نے مان لیا کہ آپ مجھے غلط نہیں سمجھتے اب مجھے جانے دیں۔"

"نہیں بھلا آپ کو کیسے جانے دوں، ایسے ہی چائے پلائے بغیر۔ دراصل یہ ایک اور مسئلہ ہے۔ ایک اور ہی گھمبیر مسئلہ۔ پلیز مس۔"

"کیتھی۔"

"ہاں مس کیتھی! دراصل یہ عزت اور وقار کا سوال ہے۔ پلیز میری مدد کیجیے۔"

"لیکن میں آپ کی مدد کس طرح کر سکتی ہوں۔"

"میرے ساتھ ایک کپ چائے پی کر۔"

میں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"وہ تینوں۔ وہ تینوں اور خاص کر وہ عابدین تو میرا مذاق اڑائے گا۔ کہ دیکھو سسٹر کیتھی نے اس کے ساتھ ایک کپ چائے تک نہیں پی۔ اوہ کس قدر ریکارڈ لگائیں گے وہ میرا۔ لیکن آپ کو اس سے کیا۔ بے چارا ڈاکٹر زین بلا سے سب کے مذاق کا نشانہ بنتا رہے۔ سوری میں یونہی آیا تھا میں نے سوچا تھا کہ آپ میرا مان رکھ لیں گی۔ لیکن۔"

ڈاکٹر! آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"سیدھی سی بات ہے سسٹر کہ ان تینوں نے مجھ سے شرط لگائی ہے کہ سسٹر کیتھی تمہارے ساتھ چائے نہیں پئیں گی۔ اب یہ بھی کوئی بات ہے۔ میں کوئی غنڈہ نہیں شریف آدمی ہوں۔"

"انہوں نے صحیح ہی کہا تھا ڈاکٹر۔"

میں جانے کے لیے مڑی لیکن اس نے مجھے پھر روک لیا اور۔"

"اور پھر تم نے اس کے ساتھ چائے پی لی۔"

"وہ باتیں ہی ایسی کر رہا تھا کہ میں انکار نہ کر سکی۔" اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا۔

"تم اور چائے لو گی۔"

"نہیں۔"

میں نے ٹشو سے ہاتھ صاف کیے اور غور سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ ناشتے کے برتن اٹھا رہی تھی۔ وہ دبلی پتلی سی تھی۔ رنگت سانولی تھی۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی باریک سی، اماں ایسی آنکھوں کو زیرے والی آنکھیں کہا کرتی تھیں۔ اس کے پورے چہرے پر ایک ناک ایسی تھی، جسے خوبصورت کہا جا سکتا تھا۔ چھوٹی سی اوپر کو اٹھی ہوئی ناک، اور بال ہاں اس کے بال بھی خوبصورت تھے۔ لمبے سیاہ سیدھے چمکتے بال۔ بس اس کے علاوہ اس کے ظاہر میں کوئی حسن نہ تھا۔ اس کا سانولا رنگ پرکشش کہا جا سکتا تھا۔ اگر اس کا چہرا اس طرح موٹے موٹے کیلوں اور دانوں سے بھرا نہ ہوتا۔ اس لڑکی میں اٹریکٹ کرنے والی کوئی بات نہ تھی۔ پتا نہیں ڈاکٹر زین نے اس سے محبت کس طرح کی ہو گی۔ اس کی باتوں سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اسے بے پناہ چاہتا تھا۔ بے حساب۔

کیا ڈاکٹر زین کا دل اس کی اس چھوٹی سی ناک میں الجھ گیا تھا۔ لیکن نہیں خصوصیت سے تو اس کی ناک پر نظر پڑتی ہی نہیں تھی۔ بظاہر وہ بالکل عام سی معمولی سی لڑکی نظر آتی تھی۔ ایسی سینکڑوں بلکہ ہزاروں لڑکیاں ہمارے پاس سے گزر جاتی ہیں اور ہم انہیں...... آنکھ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں۔

اور اب یہ اس کی روم میٹ مارتھا۔ اور کیا مارتھا سے بھی کسی نے محبت کی ہوگی۔ کسی ڈاکٹر زین نے یا کسی اور نے کسی اور نے۔

ربی بھی تو مارتھا ہی کی طرح ہے۔ بلکہ مارتھا کا جسم رباب سے کہیں زیادہ خوبصورت اور دلکش تھا۔ بھرا ابھرا گداز جسم۔

اور عینی وہ۔ وہ کس قدر دلکش ہے۔ شاید کسی اسکول میں پڑھاتی ہے۔

اس کا جسم، اس کا قد، اس کی رنگت، اس کی آنکھیں اس کی ناک، اور پیشانی سب۔ سب کچھ کیسا سانچے میں ڈھلا ہے اور محبت تو عینی جیسی لڑکیوں سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن عینی سے کسی نے محبت نہیں کی۔ اس کے منگیتر نے بھی نہیں۔

جس نے محض یہ کہہ کر اپنی بچپن کی نسبت توڑ دی۔ ”کہ اسے عینک لگانے والی لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ اور یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ ہرگز نہیں تھا۔ وہ لینس بھی لگوا سکتی تھی اور پھر عینک اس کے گول چہرے پر کتنی بجتی ہے لیکن اس کے منگیتر نے اسے رد کر دیا۔ اور اس خوبصورت لڑکی کے دل میں کتنا گہرا گھاؤ ہے۔ جو بھرتا ہی نہیں۔ اور یہ۔

یہ بے حد عام سی سانولی رنگت اور معمولی نقش و نگار والی لڑکی کتنی خوش قسمت ہے۔ اپنے دل کے سیپ میں ڈاکٹر زین کی محبت کا موتی چھپائے ہوئے ہے اور اس کی باتیں کرتے ہوئے اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں کیسے دمکنے لگتی ہیں۔

اور سانولی رنگت کیسے لو دیتی ہے۔

اور یہ محبت کا فلسفہ بھی کچھ عجیب ہے۔

کبھی ایک عام سی معمولی سی سانولی لڑکی کی جھولی اس خزانے سے بھر جاتی ہے اور کبھی ایک بہت اچھی بہت پیاری، بہت قابل لڑکی جو محبت کیے جانے کی اہل ہوتی ہے اسے محبت نہیں ملتی۔ میں نے برسوں سوچا ہے کہ بھلا ایسا کیوں ہے جب اللہ میاں نے محبت کا یہ ننھا سا جذبہ دل میں رکھا ہے۔ تو پھر یہ محبت ہمیں ملتی کیوں نہیں ہے۔ ہم اس محبت سے محروم کیوں

رہ جاتے ہیں۔ برسوں میں نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا۔ زاویے سے۔

بھلا مجھ میں کیا کمی تھی جو۔

متناسب جسم بڑی بڑی گھنی لانبی پلکوں والی دلکش براؤن آنکھیں، گندمی رنگت، خوبصورت کٹاؤ والے ہونٹ، پیاری سی ناک۔

مجھے تو اپنا آپ ہمیشہ ہی اچھا لگا۔

اور یہی نہیں میرا تو من بھی بڑا خوبصورت تھا۔ میرا دل جس میں ایک جہان کے لیے محبت بھری تھی۔ جسم میں کہیں کسی کے لیے نفرت نہیں تھی۔

میں کبھی کسی سے خفا نہیں ہوتی تھی۔ مجھے کبھی کسی پر غصہ نہیں آیا تھا۔ کوئی مجھ سے کتنی بھی زیادتی کرے معاف کر دیتی تھی۔

میں پڑھائی میں بہت اچھی تھی۔ ہمیشہ ٹاپ کرتی میں کوکنگ میں ماہر تھی۔ میرے ہاتھوں میں بہت ذائقہ تھا۔ سلائی کڑھائی۔ گھر کی ڈیکوریشن۔

لیکن میری اتنی بہت ساری خوبیاں کبھی کسی کو نظر ہی نہ آئیں اور میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ہر شخص کا جوڑ پیدا کیا گیا ہے۔

اور وہ ایک شخص پتا نہیں کہاں جا چھپا تھا۔ جسے مجھ سے محبت کرنا تھی۔

اور جس کے لیے میں نے اپنے دل میں ڈھیروں محبتیں چھپائی ہوئی تھیں اور یہ لڑکی اس نے کچھ چاہا بھی نہیں مانگا بھی نہیں۔

مہینوں ہی زین...... ہاں ڈاکٹر زین کی محبت سے بھاگتی رہی۔ اور وہ اس کی جھولی میں اپنی محبتوں کے پھول پھینکتا رہا۔ اور پھر جب اس نے اس کی محبتوں کے پھول چن کر دل میں چھپا لیے تو وہ اسے انتظار کرنے کا کہہ کر خود نہ جانے کہاں چلا گیا۔

میں نے ایک بار پھر اسے دیکھا۔ وہ ناشتے کے برتن سمیٹ چکی تھی اور اب پھر اپنے کپڑے تہہ کر کر کے الماری میں رکھنے لگی تھی۔

افوہ...... وہ کس قدر عام سی لڑکی تھی۔ بلکہ عام سے بھی قدرے کم تر۔ یقیناً ڈاکٹر زین بھی ایسا ہی ہوگا۔ یوں ہی عام سی شکل و صورت کا، چھوٹے سے قد والے ڈاکٹر احسن میری آنکھوں کے سامنے آ گئے یقیناً وہ ایسا ہی ہوگا۔

کالا سا، چھوٹے سے قد کا، معمولی نقش و نگار کا۔

''ربی! زین کیسا تھا۔''

''اچھا۔ بہت اچھا ہے۔ اس نے مڑے بغیر کہا۔

''نہیں میرا مطلب ہے شکل وصورت۔''

''وہ بہت خوبصورت ہے، بہت اسمارٹ، اونچے لمبے قد کا، پورا چھ فٹ قد ہو گا اس کا گورا چٹا...... اور آنکھیں بڑی بڑی، بالکل مغل بادشاہوں جیسی۔''

''اور پھر بھی اس نے تمہیں چاہا۔''

بے خیالی میں میرے منہ سے نکل گیا۔

''ہاں پھر بھی اس نے مجھے چاہا۔''

وہ مڑ کر مجھے دیکھنے لگی اس کے چہرے پر الوہی چمک تھی۔

یہ چمک احساس محبت نے اسے عطا کی تھی، یہ احساس کہ کوئی اسے چاہتا ہے، دل کی تمام تر گہرائیوں سے، روح کی شدتوں کے ساتھ۔

اور یہ جو اس کے سانولے چہرے پر رونق اور چمک آئی ہے، چھوٹی چھوٹی باریک آنکھیں میں برق سی کوندتی ہے۔ تو یہ سب اسی محبت کا کرشمہ ہے۔

اور میرے چہرے پر کیسی بے رونقی ہے۔ صرف ستائیس سال کی عمر میں میری آنکھوں کے گرد لکیریں پڑ گئی ہیں۔ اور آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی ہے۔

کاش مجھے بھی کسی نے چاہا ہوتا۔

مجھ سے بھی کسی نے محبت کی ہوتی۔

تو آج میرے چہرے پر بھی یہ الوہی سی چمک ہوتی اور میری آنکھوں میں بھی، بجلیاں کوندتیں، کیا تھا کیا تھا اگر عثمان علی مجھے نہ ٹھکراتا۔ لیکن اس نے تو مجھے دیکھے بنا ہی رد کر دیا تھا۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیتا۔

اگر وہ مجھ سے مل لیتا تو...... تو شاید۔

''کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے فاطمہ؟''

چند لمحے مجھے یوں ہی دیکھنے کے بعد اس نے پوچھا۔

''تم مارتھا اور عینی سے پوچھ لو۔ بلکہ آخری بار جب وہ جا رہا تھا تو اس نے ان دونوں کی کتنی منتیں کی تھیں کہ وہ مجھے منالیں اور ہم دونوں کورٹ میرج کر لیں۔ لیکن میں اس

کے لیے تیار نہ تھی۔''

''اچھا وہ تم سے کورٹ میرج کرنا چاہتا تھا۔''

''ہاں، تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے۔'' اس نے پھر پوچھا۔

''نہیں نہیں ربی! مجھے تمہارے بتائے گئے ایک ایک لفظ کا یقین ہے۔ سچ کی اپنی ایک الگ ہی خوشبو ہوتی ہے۔ جو اپنا پتا دیتی ہے۔ بلکہ جب سے تم نے زین کے متعلق بتایا ہے تب سے میں دل ہی دل میں تمہارے لیے دعا کر رہی ہوں۔ کہ خدا کرے تمہارا انتظار جلد ختم ہو جائے۔ تمہارا زین جلد لوٹ آئے۔''

''تھینک یو فاطمہ......'' وہ مڑ کر پھر الماری کی طرف متوجہ ہو گئی۔

یہ رباب ہے، جو کبھی کیتھی تھی، میں جب سے آئی ہوں فیصلہ نہیں کر پا رہی کہ یہ خوش قسمت ہے۔ یا بد قسمت۔

کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی کہوں کیونکہ اس نے اپنی مٹھی میں محبت کا موتی بند کر رکھا ہے۔

اور کبھی میرا دل چاہتا ہے۔ اسے دنیا کی بد قسمت ترین لڑکی کہوں جو سب اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی پچھلے چار سالوں سے اکیلی ہے۔ کیونکہ وہ کیتھی سے ام رباب بن گئی۔

اس لیے اس کے ماں باپ نے اس سے اپنا ہر تعلق توڑ لیا ہے۔ اور یہ کتنا مشکل ہے۔ اس طرح اپنا مذہب، اپنا عقیدہ اور اپنے والدین، بہن بھائیوں کو چھوڑنا۔

لیکن اس نے ایسا کیا، کیونکہ اس کے دل میں زین کی محبت بہت پاورفل تھی۔ سو زین کی محبت ان سب کی محبت پر بازی لے گئی۔ اور وہ سب جنہوں نے اسے پالا پوسا تھا۔ بڑا کیا تھا۔ ان سب کی محبت ہار گئی۔

کچھ محبتیں بڑی پاورفل ہوتی ہیں۔

جیسے...... جیسے اس نامعلوم لڑکی کی محبت جس نے عثمان علی کو۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ پتا نہیں ربی خوش قسمت ہے یا بد قسمت۔ لیکن میں نے اس کی آنکھوں میں ستارے دمکتے دیکھے ہیں۔

اور ستارے تو انہی کی آنکھوں میں دمکتے ہیں، خود کو خوش قسمت سمجھتے ہیں۔ اور میں نے جب پہلی نظر اس لڑکی کے چہرے پر ڈالی تھی تو اس کی آنکھوں میں اور اس کے چہرے پر

جو سکون اور طمانیت مجھے دکھائی دی تھی اس نے مجھے بتایا تھا کہ یہ لڑکی بڑی خوش قسمت ہے
تب مجھے اس کے متعلق کچھ بھی تو پتا نہیں تھا۔ میں سیدھی کراچی سے آ رہی تھی۔

ایئرپورٹ سے یہاں تک کا فاصلہ میں نے سوچتے ہوئے کاٹا تھا۔ کہ اگر مسز رباب نہ ملیں تو۔ اور اس تو کے بعد میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ میں کیا کروں گی۔ میں یہاں لاہور میں کسی کو نہ جانتی تھی۔

دراصل یہاں لاہور میں ایک تعلیمی کانفرنس ہو رہی تھی۔ اور مجھے بھی اس کانفرنس میں اپنا مقالہ پڑھنا تھا۔ یہ کانفرنس تین روز تک جاری رہنی تھی۔ اور اس سیمینار میں شرکت کرنے والوں نے اپنی رہائش کا بندوبست خود کرنا تھا۔ اور جب مجھے پتا چلا تو میں نے اس میں شریک ہونے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ مگر میری کولیگ مس عابدہ اور میری پرنسپل نے بہت اصرار کیا۔

"تمہیں ضرور جانا ہے۔"

"لیکن میں لاہور میں کسی کو نہیں جانتی۔"

"بھئی تم۔ اپوا ہوسٹل میں چلی جانا، وہاں پر میری دوست رہتی ہیں۔ مسز رب، تم ان کے پاس رہنا جتنے دن دل چاہے میں خط لکھ دوں گی۔"

لیکن میں پھر بھی متذبذب تھی۔

"تم نے جو پیپر وہاں پڑھنا ہے فاطمہ! وہ بہت اہم ہے، اس میں بہت سی چونکا دینے والی باتیں ہیں۔ بہت سے غور طلب مسائل کی طرف تم نے توجہ دلائی ہے۔ تمہیں ضرور جانا چاہیے۔"

پرنسپل نے مجھے متذبذب دیکھ کر کہا تو میں تیار ہو گئی۔ لیکن اندر سے میں ڈر رہی تھی اگرچہ میں ایک ذمہ دار لیکچرر ہوں، چار سال سے پڑھا رہی ہوں، اور اپنے بڑے سارے گھر میں اپنی والدہ کے ساتھ تنہا رہتی ہوں، بظاہر بہت بہادر ہوں۔ لیکن اندر سے میں بڑی ڈرپوک ہوں۔ راہ چلتے چلتے ڈر کر ٹھٹک کر رک جاتی ہوں۔

ایک دم اپنے اکیلے ہونے کا تنہا ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ جیسے میں بغیر کسی تحفظ کے اور بغیر کسی سہارے ہوں۔ سو ایئرپورٹ پر اترتے ہی یہ خوف میرے دل میں دامن گیر ہو گیا کہ اگر مسز رب نہ ہوئیں تو؟ مسز رب کے نام لکھا ہوا خط میرے پاس موجود تھا لیکن اس

خط کا کیا فائدہ اگر مسز رب نہ ہوئیں تو، حالانکہ عابدہ نے مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ صرف لمبی چھٹیوں میں گھر جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کا گاؤں بہت دور ہے۔ وہ لاہور کے کسی کالج میں پڑھاتی ہیں...... پھر بھی نہ جانے کیوں یہ خیال میرے دل میں آ گیا تھا۔

ہوسٹل کی عمارت کافی بڑی تھی۔

میں سیدھی چلتی گئی۔ سامنے کوارٹر سے بنے ہوئے تھے۔ لمبے سے برآمدے میں کچھ لڑکیاں رسی پر کپڑے لٹکا رہی تھیں۔

"یہ چھ نمبر کدھر ہے۔"

"آگے ہے۔" ایک لڑکی نے اشارہ کیا۔ "دوسرے حصے میں۔"

چھ نمبر پر تالا پڑا تھا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ اس اجنبی شہر میں کہاں جاؤں۔ کیا کسی کالج کے ہوسٹل میں چلی جاؤں، پچھلے سال اسلام آباد میں سیمینار ہوا تھا تو رہائش کا بندوبست بھی، نہ جانے اس سال ایسا کیوں نہیں کیا گیا تھا۔ والدہ کی علالت کی وجہ سے میں نہیں جا سکی تھی۔ البتہ مسز راجا گئی تھیں اور ہفتوں وہاں کے بہترین انتظام کی تعریف کرتی رہی تھیں۔ میں نے سوچا ممکن ہے کہیں باہر شاپنگ کے لیے گئی ہوں اور پانچ نمبر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

اندر سے رباب نکلی تھی۔

"جی۔"

"مجھے مسز رب سے ملنا تھا۔"

"پلیز آپ اندر آ جائیں وہ تو...... وہ تو گاؤں گئی ہیں۔ ان کی دادی اماں بیمار تھیں۔ اور عینی ذرا بازار تک گئی ہے۔"

"اوہ!" میرے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا بیگ یکایک بھاری لگنے لگا۔ میں نے اسے زمین پر رکھ دیا۔

"کیا یہاں اس ہوسٹل میں اگر دو چار روز کے لیے ٹھہرنا چاہیں تو جگہ مل جائے گی۔"

"آپ کہیں دور سے آئی ہیں؟"

اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے پوچھا۔

''ہاں کراچی سے۔''

''اوہ، آپ پلیز چلیں۔ اندر آئیں۔ کیا آپ مسز رب کی عزیز ہیں۔''

''نہیں۔'' میں بیگ اٹھا کر اس کے ساتھ اندر چلی گئی۔ چھوٹا سا صحن تھا۔ اور چھوٹا سا ہی کمرا تھا۔ جس میں دو بیڈ بچھے تھے۔ سائیڈ پر ایک لوہے کی الماری تھی۔ ایک کونے میں لکڑی کی بنچ نما میز پڑی تھی۔

''آپ بیٹھیں پلیز اطمینان سے اور فکر مت کریں، مسز رب یہاں نہیں ہیں تو ہم تو ہیں۔ عینی ہے ان کی روم میٹ، وہ ابھی آجائے گی۔ تو آپ ادھر چلی جایئے گا۔ اور مسز رب بھی شاید ایک دو روز میں آجائیں۔ بلکہ عینی کہہ رہی تھی، امید ہے کل تک آجائیں گی۔''

''اچھا۔'' میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

''مگر عینی تو مجھے نہیں جانتی اور جانتی تو مجھے مسز رب بھی نہیں ہیں۔'' میں نے اپنے متعلق تفصیل اسے بتائی۔

''کوئی بات نہیں۔'' وہ مسکرائی۔

''یہاں تو ایسا ہوتا رہتا ہے۔ میری مہمان آجائیں اور فرض کریں میں نہ ہوں تو مارتھا انہیں اٹینڈ کر لیتی ہے اس طرح میں ان کے مہمان کو۔ ہوسٹل میں تو ایسے ہی چلتا ہے۔ آپ آرام سے لیٹ جائیں۔ میں ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

وہ باہر صحن میں چلی گئی۔ باہر صحن میں ہی اک طرف چھوٹا سا کچن اور چھوٹا سا باتھ روم تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ اور ابھی ہم چائے پی رہے تھی کہ گیلے بالوں کو تولیے سے پونچھتی ہوئی گہرے سانولے لیکن تیکھے نقوش والی ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔

''یہ مارتھا ہے۔'' اس نے تعارف کروایا۔ ''میری روم میٹ ہے۔ اور میرا نام ام رباب ہے۔''

اس نے اپنا نام بتایا۔

''اور مارتھا! یہ فاطمہ ہیں کراچی سے آئی ہیں۔ مسز رب کی مہمان ہیں۔''

اور پھر چائے پیتے ہوئے ڈھیروں باتیں ہوئیں۔ اس نے بتایا کہ وہ دونوں نرسیں ہیں۔ باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ تھوڑی دیر پہلے جو اجنبیت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ایک دم سے اپنائیت میں بدل گئی تھی۔ میں کچھ دیر بعد سو گئی اور جب جاگی تو وہاں

اداس آنکھوں والی ایک اور لڑکی بھی بیٹھی تھی۔

''یہ عینی ہے۔'' رباب نے تعارف کروایا۔

وہ بھی اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اس کا مزاج بھی بہت اچھا تھا۔ رات کا کھانا وہ کمرے میں لے آئی تھیں۔ ہم سب نے کھانا ساتھ کھایا۔ اور کھانے کے بعد عینی نے میرا بیگ اٹھا لیا۔

''چلیں۔''

''نہیں بھئی، یہ ہماری مہمان ہیں اب۔'' رباب نے مجھے روک لیا۔

''فاطمہ پلیز، آپ ادھر ہی رک جائیں۔ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ بالکل اپنی اپنی سی۔ جب مسز رب آئیں گی تو چلی جایئے گا۔''

''اچھا!'' مجھے کیا اعتراض تھا، مجھے تو رہنا ہی تھا۔ کہیں بھی ٹھہر جاتی۔

''میں اور مارتھا ایک بیڈ پر سو جائیں گے۔'' اس نے فیصلہ سنایا۔

''ہاں بھئی عینی! تم جاؤ۔'' مارتھا نے بھی کہا۔

''ویسے بھی فاطمہ کراچی سے آئی ہیں اور کراچی کی تو ہوائیں بھی اسے محبوب ہیں اور پھر یہ تو جیتی جاگتی انسان ہیں۔''

''کیوں کیا کراچی میں رباب کا گھر ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''نہیں، اس کے زین کا گھر ہے۔''

مارتھا نے بتایا۔

''اس کا زین، اس سے محبت کرتا تھا۔ اسے انتظار کرنے کا کہہ کر کراچی گیا اور تین سال ہوگئے پھر لوٹ کر ہی نہیں آیا اور یہ تین سال سے اس کا انتظار کر رہی ہے۔ پاگل بھلا اسے لوٹ کر آنا ہوتا تو اب تک آ نہ گیا ہوتا۔''

''تین سال سے وہ آیا نہیں اور یہ اس کا انتظار کر رہی ہے۔'' مجھے حیرت ہوئی۔

''ہاں۔'' مارتھا نے کہا تھا۔

''اور یہ اس کے پیچھے اپنا دین دھرم ماں باپ سب چھوڑ بیٹھی ہے۔''

''اچھا۔''

میں نے پہلی بار غور سے اس سانولی سی دبلی پتلی لڑکی کو دیکھا۔ جو ایک شخص کے

لیے سارے رشتے ناتے توڑ بیٹھی تھی، اور وہ شخص اسے انتظار کرنے کی سولی پر لٹکا کر چلا گیا تھا اور مجھے وہ بہت اچھی لگی، بہادر اور بلند، یکایک میرے دل میں اس کے لیے اپنائیت اور محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

"ادھر آ جاؤ رباب، میرے پاس اور مجھے سب بتاؤ۔"

میں نے کھسک کر اپنے بستر پر اس کے لیے جگہ بنائی۔

"ایسی کوئی خاص بات نہیں۔" وہ ذرا سا شرمائی تو مجھے اور بھی اچھی لگی۔

محبت میرے لیے ہمیشہ ایک بیکار فضول اور غیر اہم سے رہی تھی، لیکن پچھلے ایک سال سے جب سے عثمان علی نے مجھے بغیر دیکھے رد کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ کسی اور سے محبت کرتا تھا۔ تب سے ہاں میں ہر اس لڑکی کو رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی۔ جس سے کسی نے محبت کی ہو۔ جو کسی سے محبت کرتی ہو۔ اور خود میرے دل کی زمین پر یکایک ہی راتوں رات خواہشوں کے لمبے لمبے پودے اگ آئے تھے۔ بانس کے پودوں کی طرح۔

کوئی ہو جو مجھے چاہے۔ مجھ سے محبت کرے، اور میں بھی فخر سے کہہ سکوں کہ میں بھی اس کی اہل ہوں کہ کوئی مجھ سے محبت کرے، مجھ سے محبت کرے عثمان علی کیا ہوا جو تم کسی اور سے محبت کرتے تھے۔ لیکن میں بھی چاہے جانے کے قابل ہوں۔

اگر معاشرتی دباؤ اور خوف نہ ہوتا تو شاید میں کشکول ہاتھوں میں لے کر باہر نکل آتی اور آوازیں لگاتی پھرتی کہ کوئی ہے جو میرے اس کشکول میں بھی بھیک ڈال دے۔

دراصل عثمان علی کی اک ذرا سی بات نے میرے اندر یکایک بہت سے کمپلیکس پیدا کر دیے تھے۔ میں صورت و سیرت میں اچھی تھی۔

لوگ کہتے تھے، میں جس گھر میں جاؤں گی۔ اسے جنت بنا دوں گی جس کے نام کے ساتھ میرا نام لگے گا۔ وہ دنیا کا خوش قسمت ترین شخص ہو گا۔ لیکن عثمان کو شاید کسی جنت کی چاہ نہ تھی۔ اور کسی خوش قسمتی کی تلاش نہ تھی۔ وہ تو بس صرف اس لڑکی کا ساتھ چاہتا تھا جو نہ جانے کتنی حسین ہو گی اور کتنی خوبصورت، کاش میں اسے دیکھ سکتی۔

اور ایک یہ لڑکی ہے، بے حد عام سی، بے حد معمولی سی، لیکن اسے بھی کسی نے چاہا کہ اس نے ساری زنجیریں توڑ دیں۔

"تم کرسچن ہو۔"

وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی تو میں نے پوچھا۔

"ہوں نہیں تھی۔ اب تو میں مسلمان ہوں۔"

"ہاں۔" میں ذرا سا شرمندہ ہوئی۔

"تمہیں اسلام کیا لگا؟"

"پتا نہیں۔ میں نے اس کا زیادہ مطالعہ نہیں کیا۔" اس نے سادگی سے کہا۔

"کیا تمہیں اسلام نے اٹریکٹ کیا تھا۔"

"نہیں، میں تو زین کے لیے مسلمان ہوئی ہوں۔ کیونکہ وہ ایسا ہی چاہتا تھا۔" اس کا خیال تھا کہ اس کی ممی ایک کرسچن لڑکی کو کبھی قبول نہیں کریں گی۔"

"اچھا وہ تمہیں اچھا لگتا تھا۔"

"ہاں، بہت اچھا وہ ہے ہی بہت اچھا، سادا، مخلص، سچا اور کھرا۔"

اور پھر رات دیر تک ہم باتیں کرتے رہے۔

مارتھا نے...... اپنے گھر کی باتیں بتائیں، عینی کا قصہ سنایا اور ہوسٹل میں رہنے والی دو چار اور لڑکیوں کے متعلق بتایا اور راتوں رات ہم آپ سے تم پر آ گئے۔ کبھی آدمی سالوں ملتا رہے تو بے تکلفی نہیں ہوتی۔ اور کبھی لمحوں میں سارے فاصلے طے ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ دوسرے دن مسز رب آ گئی تھیں اور میں نے انہیں مس عابدی کا خط دے دیا تھا۔ اور انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بہت اصرار کیا تھا۔ لیکن میں نہیں گئی۔

"اب ادھر ہی ٹھیک ہوں۔ مسز رب۔"

"ہاں مسز رب! ربی اور مارتھا نے بھی کہا۔

"فاطمہ اب ادھر ہی رہے گی۔ دو چار دن تو رہنا ہے۔"

اگلے دو تین روز میں مصروف رہی تھی۔ مجھے کانفرنس ہال میں لانے لے جانے کی ڈیوٹی خود بخود ربی اور مارتھا نے سنبھال لی تھی۔ اور اب کل مجھے چلے جانا تھا۔ پھر شاید کبھی ان پیاری لڑکیوں سے میری ملاقات نہ ہو۔

"مجھے آپ دونوں کا خلوص ہمیشہ یاد رہے گا۔"

میں نے رباب سے کہا جو الماری میں تمام کپڑے ترتیب سے رکھ چکی تھی۔ اور اب میرے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"اور تم بھی فاطمہ! تم بھی ہمیں بہت یاد آؤ گی۔"

"کاش ربی! میں تمہارے لیے کچھ کرسکتی، کیا زین کا ایڈریس تمہارے پاس ہے۔"

اچانک مجھے خیال آیا کہ اگر ربی کے پاس زین کا ایڈریس ہو تو میں خود جا کر اس سے ملوں گی اور اسے بتاؤں گی کہ ایک سانولی سلونی سی لڑکی اپوا ہوسٹل کے ایک اداس کمرے میں تین سال سے تمہارا انتظار کررہی ہے۔

"نہیں" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اور اس کے وہ دوست ڈاکٹر، ان سے پوچھ کر بتادو۔"

میں ہر قیمت پر اس لڑکی کا انتظار ختم کرنا چاہتی تھی۔ اس کے زین کو اس سے ملانا چاہتی تھی۔

"وہ تو زین کے جانے سے پہلے ہی چلے گئے تھے۔ ڈاکٹر عابدین کو سعودی عرب میں جاب مل گئی تھی۔ ڈاکٹر ناصر اور ڈاکٹر خالد ہائر اسٹڈی کے لیے امریکہ چلے گئے تھے۔ پھر پتا نہیں وہ وہاں سے لوٹے یا نہیں۔"

"کیتھی۔" دروازے میں سے ایک لڑکی نے اندر جھانکا۔

"آج فارغ ہو تو ذرا میرے ساتھ بازار تک چلو گی میں نے آج چھٹی کی ہے۔ چھوٹی بہنوں کے لیے شاپنگ کرنی ہے۔"

"نہیں، میری مہمان آئی ہوئی ہیں۔ اور میں کیتھی نہیں ہوں رباب ہوں۔"

"اوہ سوری یاد نہیں رہتا۔"

"اس نے کہا اور پھر مجھے سلام کرکے واپس چلی گئی۔

"ہوں یاد نہیں رہتا" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"کیوں کیا تمہیں اپنا نام بہت پسند ہے۔"

"ہوں۔"

"کیا زین نے یہ نام رکھا تھا۔"

"نہیں، عینی نے رکھا تھا۔ اس کی ایک بہن تھی جو کم عمری میں مرگئی تھی۔ اس کا نام تھا۔ ام رباب اور پھر جب میں کیتھی ہوں نہیں تو کوئی مجھے اس نام سے کیوں پکارے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"ربی! تین سال بہت نہیں ہوتے کیا؟ تین سال میں تو پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے۔ پھر تمہیں اتنا یقین کیوں ہے کہ ضرور آئے گا۔"

"تم نے کہا تھا نا ابھی کچھ دیر پہلے کہ سچ کی اپنی خوشبو ہوتی ہے تو مجھے اس کی باتوں سے سچ کی خوشبو آتی تھی۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ جب وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا تھا۔ تب بھی اور جب مجھ سے محبت کرنے لگا تب بھی۔ اگر اس نے نہ آنا ہوتا تو وہ مجھے کہہ دیتا۔

"سوری ربی! تم میرا انتظار نہ کرنا میں نہیں آؤں گا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کہا۔ اس لیے میں اس کا انتظار کررہی ہوں۔ وہ یقیناً ابھی اپنی ممی کو نہیں منا سکا ہوگا۔ اور یہ تو میں نے ہی اس سے کہا تھا کہ وہ اپنی ممی کو خفا نہ کرے۔ دراصل فاطمہ تم نے اسے دیکھا نہیں ہے تم اسے جانتی نہیں ہو اس لیے اس کے متعلق شک میں پڑ گئی ہو لیکن میں تو اسے جانتی ہوں مجھے تو اس کے کہے ایک ایک لفظ کا یقین ہے۔ تمہیں ساری کہانی کا پتا بھی تو نہیں ہے۔ اسے کوئی ایک دم سے ہی مجھ سے عشق ہوگیا تھا۔ اور نہ ہی مجھے اس سے ایک دم عشق ہوگیا تھا۔ ہم تو پورا ایک سال یونہی ملتے رہے تھے دوستوں کی طرح کبھی کبھار پھر۔"

وہ خاموش ہو کر بستر کی چادر درست کرنے لگی۔

ہاں مجھے واقعی پوری کہانی کا نہیں پتا تھا۔ میں تو صرف اتنا جانتی تھی کہ ایک لڑکا تھا زین جو ربی سے محبت کرتا تھا اور بس اس کی کوئی کوئی بات وقتاً فوقتاً رباب نے مجھے بتائی تھی اور بس۔

"تو تم مجھے پوری کہانی سناؤ ربی۔"

میں نے پرشوق آواز میں کہا۔

"پوری کہانی۔" وہ دونوں پاؤں بیڈ پر رکھ کر کچھ سوچنے لگی۔

"زین بہت عجیب سا لڑکا تھا۔ ہمدرد مخلص سچا بے باک اور شاداوہ اپنے تینوں دوستوں سے مختلف تھا۔ اس روز جب میں نے اس کے ساتھ چائے پی تھی اور وہ اپنے دوستوں سے شرط جیت گیا تھا۔ تو اس بات پر وہ میرا بہت ممنون تھا۔ اور اب اکثر ادھر ادھر گزرتے ہوئے سامنا ہوتا تو وہ مسکرا کر مجھے دیکھتا۔ اور نہایت خلوص سے حال پوچھتا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ ایک روز وہ بیمار ہوگیا۔ اسے ٹائیفائیڈ ہوگیا تھا۔ وہ اپنے ہاسپٹل میں ہی ایڈمٹ

تھا۔ اور میری ڈیوٹی اس کے کمرے میں تھی۔ میں ڈیوٹی ٹائم کے بعد بھی اس کے پاس بیٹھی رہتی تھی۔ اس لیے کہ وہ اکیلا تھا۔ اس کے سب گھر والے کراچی میں رہتے تھے اور اس نے ان کو اطلاع بھی نہ دی تھی۔

"ڈاکٹر! آپ اپنے گھر اطلاع کیوں نہیں کرتے۔"

اس روز اس کا بخار بہت تیز تھا۔ میں اس کے سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی۔

"گھر۔" وہ تلخی سے ہنسا۔

"میرا اپنا تو کوئی گھر نہیں ہے۔ بس ایک ممی ہیں۔ جو ماموں کے گھر رہتی ہیں۔"

"تو ممی کو ہی بلا لیں۔"

"ممی کو نہیں۔"

آپ کے ڈیڈی۔"

میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ جب وہ صرف چھ سال کا تھا۔ تب سے ان دنوں وہ بالکل کسی بچے کی طرح ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی تو بیٹھے بیٹھے رونے لگتا تھا۔ ان دنوں اس نے مجھ سے بہت باتیں کیں۔

اپنے دکھ۔

اور اپنے غم اس نے مجھے بتائے۔

اپنی تنہائیوں کا ذکر کیا۔ اسے اپنی ممی سے بہت شکوے تھے۔

"ممی کو کبھی میرے لیے فرصت ہی نہیں ملی۔ وہ سارا وقت ماموں اور خالہ کے بچوں میں گھری رہتی تھیں۔ وہ اکثر بتایا کرتا تھا۔

"انہیں جتنی محبت خالہ کی بیٹیوں سے تھی۔ اتنی محبت انہوں نے مجھ سے کبھی نہیں کی۔ حالانکہ وہ سب کی سب...... مجھ سے بڑی تھیں۔ لیکن وہ میری خالہ کی چھوٹی بیٹی بھی جو مجھ سے چار سال بڑی تھی ممی اس کو بھی گود میں لیے پھرتیں اس کے لاڈ اٹھاتیں۔ لیکن میرے تو وہ آنسو بھی نہ پونچھتی تھیں۔ اور میرے ماموں کے بیٹے وہ ضد کرتے تو میرے کھلونے میرے ڈیڈی کے لائے ہوئے کھلونے بھی انہیں دے دیتیں۔ ان کی ذرا سی جھوٹی شکایت پر بھی مجھے دھنک کر رکھ دیتیں۔

ان کے سر میں درد ہوتا تو تڑپ اٹھتیں میں بخار میں پھنکتا رہتا تو انہیں پروا تک نہ ہوتی۔" اور ایسے میں وہ اپنے بچپن کی چھوٹی چھوٹی باتیں مجھے بتایا کرتا تھا۔ اور جب وہ صحت یاب ہوا تو تب تک ہم دونوں میں بہت دوستی ہو چکی تھی۔ خود بخود ہی میرے دل میں اس کے لیے ایک جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ خلوص و محبت کا جذبہ اور یہ جذبہ کوئی ایسا جذبہ نہیں تھا کہ میرے دل میں اس کی رفاقت کی خواہش پیدا ہوتی۔ یہ محض دوستی کا جذبہ تھا۔

"چلو کیتھی ہم دونوں دوست بن جائیں۔"

ایک روز اس نے مجھ سے کہا۔

"دوست تو ہم ہیں۔"

"ہاں واقعی دوست تو ہم ہیں۔" وہ ہنسا۔

"میں نے اپنے دل کی باتیں صرف تم سے کی ہیں۔ کیتھی۔" صرف تم سے۔ عابدین سے بھی کبھی نہیں کی۔ حالانکہ وہ میرا سب سے اچھا دوست ہے۔ لیکن پتا نہیں شاید میں بیماری کی وجہ سے بہت رقیق القلب ہو رہا تھا۔ اور تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہوتا تو میں اس سے اس طرح بات کرتا لیکن شاید کوئی اور تمہاری طرح اتنی توجہ محبت اور خلوص سے میری بات نہ سنتا۔ تم بہت اچھی ہو کیتھی تم نے میرا درد بٹایا۔ اور بس اسی بات پر ہماری دوستی پکی۔ ہاتھ آگے کرو۔"

اور میں نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"تھینک یو کیتھی آج کی تاریخ یاد رکھنا۔"

"کیوں؟"

"بس اس تاریخ کو ہم اپنی دوستی کی سالگرہ منایا کریں گے اور وہاں اس ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ایک کپ چائے پیا کریں گے۔ یاد ہے نا ہماری پہلی ملاقات چائے کے ایک کپ کے لیے وہیں ہوئی تھی۔"

اور پھر کچھ دنوں بعد اس کا ہاؤس جاب ختم ہو گیا۔ اور اسے کسی دوسرے شہر میں نوکری مل گئی۔ مگر کبھی کبھی پندرہ بیس دن بعد وہ لاہور آتا تو مجھ سے ملنے ضرور آتا۔"

میں بہت انہماک سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ بات کرتے کرتے وہ یکایک خاموش ہو گئی تو میں بھی اپنے انہماک سے چونکی۔ وہ یوں سامنے دیکھ رہی تھی جیسے بیتے دنوں کو

دیکھ رہی ہو۔

''پھر کیا ہوا ربی۔''

میں نے ہولے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''پھر۔'' وہ چونکی۔

''پھر فاطمہ! پتا نہیں کب پتا نہیں کیسے اسے مجھ سے محبت ہو گئی۔ میں جو اس کی ہم مذہب بھی نہیں تھی۔ میں جو ایک بہت معمولی شکل وصورت کی ایک نرس تھی۔ فاطمہ تمہیں بھی یقین نہیں آیا تھا مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ جب اس نے کہا تھا۔ کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔ میں کتنی ہی دیر تک بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''زین! اس طرح کا مذاق مت کرو۔''

''یہ مذاق نہیں ہے۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''میں نے بہت سوچا ہے، بہت غور کیا ہے تو جانا ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔''

''تمہیں پتا ہے زین میں ایک کرسچن لڑکی ہوں۔ میرے پاپا فادر ہیں وہ مجھے تم سے دوستی کی اجازت تو دے سکتے ہیں۔ لیکن محبت کی نہیں۔''

''مجھے سب پتا ہے۔ اور میں کب کہہ رہا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرو۔''

''میں تو، میں تم سے محبت کرتی ہوں۔''

جانے کیسے بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔

''مجھے پتا ہے۔'' اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔

''فرق صرف یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے اپنے دل میں محبت محسوس کی تو تمہیں بتا دیا۔ اور تم دل میں چھپائے ہوئے تھیں۔''

میں اپنی بے اختیاری پر شرمندہ سی سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''محبت کوئی گناہ تو نہیں ہے۔ تم اتنی شرمندہ کیوں ہو رہی ہو۔ بس ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ میں تم سے کوئی وعدے نہیں کر رہا ساتھ نبھانے کے ساتھ دینے کے۔ اس لیے کہ مجھے پتا ہے میری شادی کہیں اور کسی اور لڑکی سے ہو گی۔ اپنی ہم مذہب لڑکی سے جہاں ممی

چاہیں گی۔ لیکن میں محبت تو تم سے کرتا ہوں۔ اور کرتا رہوں گا۔ بس تم سے شادی نہیں کر سکتا چاہو تو میں تم سے نہ ملوں۔''

لیکن فاطمہ، یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لاہور آتا اور مجھ سے نہ ملتا یا میں اسے ملنے سے منع کر دیتی۔ اس نے میرے ساتھ کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ کوئی فریب نہیں دیا تھا مجھے۔ بلکہ بڑی صاف دلی سے بتا دیا تھا کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ اس کی معاشرتی مجبوری ہے شادی کے لیے بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔ خاندان، مذہب، اسٹیٹس اور بہت کچھ جب کہ محبت کچھ نہیں دیکھتی۔ یہ کم بخت خود بخود دل میں پیدا ہو گئی ہے تو میں کیا کروں۔

وہ جب اس طرح کی باتیں کرتا تو بہت معصوم لگتا تھا۔ اور وہ صحیح کہتا تھا فاطمہ شادی تو میں بھی اس سے نہیں کر سکتی تھی، خاندان برادری گھر سب کو چھوڑنا ناممکن تھا۔

لیکن یہ محبت ہاں محبت خود بخود ہی تو دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ میں ہر وقت اسے سوچتی رہتی تھی۔ اس کی باتیں یاد کرتی رہتی تھی۔ ایک بار وہ پورے تین مہینے تک نہیں آیا تو میں نے سوچا شاید وہ مجھے بھول گیا ہے۔ آخر میرا اس کا ناتا مشکل سے ہی نبھ سکتا تھا۔''

''شاید وہ کراچی چلا گیا ہو گا۔'' میں نے رائے دی۔

''نہیں۔'' وہ جو سوچوں میں کھوئی گئی تھی۔ چونک کر بولی۔

''میں نے بھی سوچا تھا کہ وہ کراچی چلا گیا ہے۔ اور شاید اس کی ممی نے اس کی منگنی یا شادی کر دی ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا فاطمہ ایک روز جب بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔ چوکیدار اس کی چٹ لایا تو میں برستی بارش کی پروا نہ کرتے ہوئے گیٹ کی طرف بھاگی۔ وہ بھی اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اور بارش میں اسے بھگو رہی تھی۔

''کیتھی۔'' وہ بے چین ہو کر میری طرف بڑھا پھر رک گیا۔

''کیتھی!'' میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''اس کی آواز میں آنسو مچل رہے تھے۔

''تم کہاں تھے کہاں کھو گئے تھے۔''

میری پلکیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

''تم نے مجھے یاد کیا تھا۔''

اس کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے تھے۔

"تو پھر یہ طے ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

وہ ہنسا اور میرے ساتھ چلتا ہوا برآمدے میں آ کھڑا ہوا۔

"پتا ہے کیتھی! میں نے سوچا تھا کہ جب میں تم سے شادی نہیں کر سکتا تو مجھے تم سے محبت کرنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ تم سے نہیں ملوں گا۔ تو تمہاری محبت آپوں آپ ختم ہو جائیگی۔ ایسے ہی جیسے خود بخود پیدا ہو گئی تھی۔ ایسے ہی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ تین ماہ میں نے کیسے گزارے کیتھی بتا نہیں سکتا۔ خود سے لڑ لڑ کر تھک گیا۔ لیکن تم تو ایسے دل میں دھرنا جما کر بیٹھی ہو کہ نکلتی ہی نہیں ہو۔"

میں یونہی روئے چلی جا رہی تھی۔

"ارے پگلی! روتی کیوں ہو۔"

اس نے انگلی کی پوروں سے میرے آنسو پونچھے۔

"تم نے سوچا ہوگا بڑا بے وفا دوست تھا۔ لیکن میں بے وفا نہیں تھا۔ کیتھی میں تو ہر روز تمہاری محبت کو جڑ سے نکال کر باہر پھینک دیتا۔ اور سوچتا کہ اب کل تم سے ملنے جاؤں گا یوں کہ میرے دل میں تمہاری محبت کا کوئی چور نہیں ہوگا۔ ہم دوستوں کی طرح ملیں گے، چائے پیئں گے، ہنسیں گے، قہقہے لگائیں گے اور پھر آدھے لاہور کی سیر کریں گے۔ اور پھر تمہیں تمہارے ہوسٹل ڈراپ کر کے خوش خوش واپس جاؤں گا۔ لیکن ظالم لڑکی ہر روز جب میں تمہاری طرف آنے کا قصد کرتا تو دیکھتا کہ وہ محبت جسے میں نے اپنے خیال میں جڑ سے نکال کر پھینک دیا تھا۔ وہ تو اسی طرح لہلہا رہی ہے۔ پہلے سے زیادہ تناور زیادہ مضبوط، سو میں ہار گیا۔ اور چلا آیا۔

"آؤ کیتھی! ہم شادی کر لیں۔"

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"لیکن میرے پاپا کبھی نہیں مانیں گے۔"

میں نے مایوسی سے کہا۔

"اور میری ممی بھی۔"

اس کے ہونٹ لٹک گئے۔

"آؤ کیتھی! ہم کہیں دور چلے جائیں جہاں یہ پاپا اور ممی نہ ہوں۔"

"تم اداس ہو چلو تمہیں گھما لاؤں۔"

اور پھر اس روز ہم دیر تک ڈرائیونگ کرتے رہے۔

"کیتھی! کیا تم میری خاطر اپنا مذہب چھوڑ سکتی ہو؟"

اس نے پوچھا اور میں نے ایک لمحہ کے لیے سوچا اور ہاں کہہ دیا۔ اس لیے کہ ان تین ماہ میں اس کی جدائی میں جو اذیت میں نے اٹھائی تھی۔ اتنی جدائی تو میں نے کبھی ممی پاپا کی بھی محسوس نہیں کی تھی۔

"تھینک یو۔" وہ خوش ہو گیا۔

"اور اس روز اس نے مجھے خدا حافظ کہتے ہوئے بتایا وہ دو ایک روز تک کراچی جا رہا ہے۔ اور یہ کہ وہ ممی کو اس دفعہ میرے متعلق بتائے گا۔"

"تو پھر اس کی ممی نے انکار کر دیا ہوگا۔"

وہ سانس لینے کو رکی تو میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"دوبارہ جب وہ آیا تو وہ بہت پریشان اور اداس تھا۔

"کیتھی۔"

"نہیں رباب۔"

"اوہ کیتھی۔" وہ ایک دم بہت خوش ہو گیا۔

"تم!"

"ہاں میں مسلمان ہو گئی ہوں۔ اور عینی نے میرا نام ام رباب رکھا ہے۔"

"آؤ تو پھر اسی خوشی میں باہر کہیں لنچ کرتے ہیں۔"

"مگر ابھی جب تم آئے تھے تو تم بہت پریشان لگ رہے تھے زین کیا ممی۔"

"ہاں کیتھی، سوری ربی، ممی کسی طرح نہیں مانتیں۔ وہ کہتی ہیں اس طرح وہ اپنے خاندان میں سر اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گی۔ ان کی بھابیاں اور بھائی سب ان کا تمسخر اڑائیں گے۔ ان کے بیٹے نے ایک کرسچن نرس سے۔"

وہ پھر اداس ہو گیا تھا۔

"میں نے انہیں قائل کرنے کی ہر طرح کوشش کی لیکن وہ تو میری کوئی بات نہیں

سنتیں۔ خودکشی کی دھمکی دیتی ہیں۔ اپنے احسانات کا ذکر کرتی ہیں کہ میری خاطر انہوں نے شادی نہیں کی۔ مجھے پڑھایا لکھایا۔"

"ہاں زین۔"

میں بھی اداس ہو گئی۔

"تمہاری ممی صحیح کہتی ہیں۔ انہوں نے ایک تمہاری آس پر تو۔"

"وہ میرے لیے نہیں تھکیں۔ وہ تو بس اپنی بھانجیوں اور بھتیجے بھتیجیوں کے لیے تھکتی رہی ہیں۔"

"کیا پتا زین۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"وہ یہ سب تمہاری ہی خاطر کرتی ہوں تاکہ ایک پناہ گاہ تمہیں حاصل رہے۔ تمہاری ممانیاں تمہیں اور تمہاری ممی کو بوجھ نہ سمجھیں۔"

"مجھے کچھ نہیں پتا ربی! بس میں اتنا جانتا ہوں کہ تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور میں بہت بزدل ہوں میں اپنے ماموؤں سے اور ان کے خاندان سے مخالفت بھی مول نہیں لے سکتا۔ وہ تمہیں عزت نہیں دیں گے۔ وہ تمہیں کوئی بہت حقیر شے سمجھیں گے۔ اور تمہیں ایک چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیں گے۔ اور میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

بتاؤ میں کیا کروں۔"

وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔ اور میرے پاس بھی اس کا کوئی حل نہیں تھا۔ میں جو کر سکتی تھی وہ میں نے کر دیا تھا۔ اور میری اس حرکت پر میرے پاپا اور ممی مجھ سے خفا ہو گئے تھے۔ میرے بھائی رچی نے مجھے قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔ لیکن پاپا نے اسے سمجھایا کہ مجھے قتل کرنے سے اسے پھانسی ہو سکتی ہے۔ بس یہ ہمارے لیے مر گئی۔

"بتاؤ زین! میں اور کیا کرتی۔"

"تم بہت اچھی ہو ربی! اور تم نے جو کچھ کیا ہے وہ ایک محبت کرنے والی لڑکی ہی کر سکتی ہے۔ اور میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکا۔

"لیکن میں، ہاں میں۔" اس نے چٹکی بجائی۔

"میں ممی کو الگ گھر لے دیتا ہوں۔ اب میں...... برسر روزگار ہوں کیا ضروری ہے کہ ہم ساری زندگی دوسروں کے گھر میں گزار دیں۔ فی الحال کرائے پر پھر بعد میں اپنا بھی بن

جائے گا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ جب ممی اپنے گھر میں رہیں گی تو پھر انہیں ماموں جان کا ڈر بھی نہیں ہو گا۔ انہیں میری خوشی زیادہ عزیز ہو گی۔ تو صحیح کہتی ہو۔ وہ ماموں کے بچوں کی سائیڈ اس لیے لیتی ہوں گی کہ وہ پناہ گاہ ہم سے چھن نہ جائے۔ اب تو میں ہوں نا۔"

وہ ایک دم خوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو جاتا تھا۔ بالکل کسی بچے کی طرح معصوم اور سیدھا سادا۔ اس میں ذرا بھی فریب نہیں تھا۔ فاطمہ ابھی کچھ دیر پہلے اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑی ہوئی تھی۔ چہرا بے رونق لگ رہا تھا۔ لیکن اب پھر اس کی آنکھیں دمکنے لگی تھیں اور چہرہ روشن روشن لگنے لگا تھا۔

"ممی مان جائیں گی ربی! مجھے یقین ہے۔"

مجھے خدا حافظ کہتے ہوئے اس نے مجھے یقین دلایا۔

"میں غور سے اسے دیکھ رہی تھی زین کی باتیں کرتے ہوئے اس کا چہرہ کیسے چمک اٹھا تھا۔ اور کتنا حسن اتر آیا تھا۔ اس کے چہرے پر اور وہ عام سی معمولی سی شکل کی لڑکی کتنی پیاری لگ رہی تھی۔ شاید ایسے ہی کسی لمحے میں زین کے دل میں اس کی محبت اتری ہو گی۔

"فاطمہ! تم بور ہو گئی ہو۔"

مجھے سوچتے پا کر اس نے پوچھا۔

"نہیں! بالکل نہیں، میں تو بہت اشتیاق سے سن رہی ہوں۔ اور سچ بتاؤں مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"پھر کیا ہوا زین نے اپنی ممی کو الگ گھر لے دیا۔"

"ہاں، زین نے اپنی ممی کو الگ گھر لے دیا اور اس کی خاطر اسے کراچی جانا پڑا۔ اس نے کراچی کے ہی ایک ہاسپٹل میں جاب کر لی تھی۔"

"دیکھو، یہ ضروری ہے کہ میں وہاں رہوں ممی کے پاس۔ ممی اکیلے گھر میں تو نہیں رہ سکتیں نا۔ میں آتا رہوں گا تم سے ملنے کے لیے، دو تین مہینوں بعد۔ اور پھر تمہیں حاصل کرنے کے لیے جو جنگ میں لڑ رہا ہوں، یہ جدائی اسی جنگ کا ایک حصہ ہے۔" وہ چلا گیا لیکن وعدے کے مطابق چکر ضرور لگاتا اور ہر بار امید دلاتا تاکہ شاید ممی جان مان جائیں لیکن آخری بار جب وہ آیا تو بہت مایوس تھا۔

"ربی! ممی نہیں مانتیں کسی صورت میں نہیں۔ انہوں نے میرے لیے ایک لڑکی بھی

ڈھونڈ لی تھی۔ اور اس سے رشتے کی بات طے کر دی تھی۔ بغیر مجھے بتائے مجھ سے مشورہ کیے۔ میں نے بھی انکار کر دیا۔ ممی بہت روئیں۔ منتیں کیں ماموں غصے ہوئے۔ خالہ نے مجبور کیا۔ اس لڑکی کی اتنی تعریفیں کیں اگر تمہاری محبت میرے دل میں اتنی پاورفل نہ ہوتی تو میں بغیر دیکھے ہی اس پر عاشق ہو چکا ہوتا۔ لیکن اس کی تعریفیں سن سن کر مجھے اس سے چڑ ہو گئی تھی۔ میں نے ممی سے صاف کہہ دیا۔ تم نہیں تو کوئی بھی نہیں۔" اور پتا ہے ممی مجھ سے خفا ہیں، ناراض ہیں کہ انہیں شرمندگی ہوئی۔ مگر میں بھی تو ان سے خفا ہوں۔ آخر وہ میری بات کیوں نہیں مان لیتیں چلو ربی آؤ ہم کورٹ میرج کر لیں۔ میں لوٹ کر کراچی نہیں جاتا۔ بس ہم دونوں رہیں گے۔ یہاں ابھی کل ہی مجھے میرے ایک سر ملے ڈاکٹر بٹ، انہوں نے اپنا ذاتی کلینک بنایا ہے۔ اور مجھے بھی آفر کی انہوں نے جاب کی۔"

پتا ہے فاطمہ وہ ایک ہفتہ لاہور رہا اور ایک ہفتہ مسلسل مجھے کورٹ میرج کے لیے کہتا رہا۔ اس نے مارتھا اور عینی سے بھی کہا کہ مجھے سمجھائیں میں ضد نہ کروں۔ لیکن میں اس کے لیے تیار نہ ہوئی۔"

"تمہیں اس کی بات مان لینی چاہیے تھی۔ ربی اس کے سوا اب اور چارا بھی کیا تھا۔"

"نہیں فاطمہ! میں نے ایسا نہیں سوچا تھا۔ میرے ساتھ میرے اپنے ماں باپ کی دعائیں بھی نہیں تھیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماں کی دعاؤں سے بھی محروم ہو جاؤں۔ میں ماں باپ کی جدائی کا کرب سہہ رہی تھی اور مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ زین کے لیے یہ مشکل ہوگا۔ اسے اپنی ممی سے ہزاروں شکوے تھے۔ لیکن وہ اپنی ممی سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔ باپ کے بعد وہی تو اس کی محبت کا محور تھیں۔ میں تو بہت بعد میں ملی تھی اسے۔ میں اسے تقسیم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ کبھی نہ کبھی تو اس کی ممی مان...... جائیں گی۔ سو میں نے اسے مایوس لوٹا دیا۔

"اچھا تو پھر تم میرا انتظار کرنا۔ اب میں جبھی آؤں گا جب ممی مان جائیں گی یہ روز روز کا ملنا اور پھر جدا ہونا بہت اذیت دیتا ہے۔ بس ایک ہی بار ملیں گے اور کبھی جدا نہیں ہوں گے۔

"دیکھو، تم میرے انتظار سے تھکو گی تو نہیں۔"

"نہیں کبھی نہیں۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"چاہے دس سال گزر جائیں۔"

"ہاں چاہے دس سال گزر جائیں۔"

"اور کیا خبر ممی کبھی بھی مانیں۔" اس نے مجھے ڈرایا۔

"ابھی بھی سوچ لو۔ میں ٹکٹ پھاڑ دیتا ہوں۔ دو چار دوستوں کو اور کسی مولوی کو پکڑ لاتا ہوں۔ اور ہم نکاح کر لیتے ہیں۔"

"نہیں زین، میں ایسے نہیں کر سکتی۔ میں تمہاری ممی کو تمہاری جدائی کا دکھ نہیں دے سکتی۔ بس تم ممی کو مناؤ۔"

"اچھا جیسے تمہاری مرضی لیکن تم میرا انتظار ضرور کرنا پلیز تھک نہ جانا۔ اور مجھ سے کبھی بدگمان نہ ہونا۔ میں ایک دن ممی کو ساتھ لے کر آؤں گا۔"

وہ تھک کر چپ ہو گئی تو میں نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"مجھے یقین ہے ربی کہ تمہارا انتظار ضرور ختم ہوگا۔"

"بس تم میرے لیے دعا کرنا فاطمہ کہ میں تھکوں نہیں۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جنہیں چھپانے کے لیے وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور رخ موڑ لیا اور یونہی رخ موڑے موڑے بولی۔

"فاطمہ پلیز ذرا اپنے کپڑے نکال دو، جو پہننے ہیں۔ استری کر دوں۔ مجھے اپنا یونیفارم بھی استری کرنا ہے۔"

"اچھا۔" میں نے اٹھ کر بیگ سے کپڑے نکال کر اسے دیے اور نہانے کے لیے چلی گئی۔ جب نہا کر آئی تو مارتھا بھی آ چکی تھی۔

"تمہاری خاطر جلدی آ گئی ہوں فاطمہ۔ اسٹاف نے بڑی مشکل سے چھٹی دی۔ تم تیار ہو تو چلو شاپنگ کے لیے۔ پھر دھوپ تیز ہو جائے گی۔ اور پھر کھانے کے بعد تمہیں لاہور کی سیر بھی کرانی ہے۔"

"اچھا۔" میں جلدی جلدی تیار ہو کر اس کے ساتھ چل دی۔ میں نے مارتھا اور ربی کے لیے بھی دو سوٹ خریدے تھے۔ کھانے سے پہلے ہم واپس آ گئے۔ رباب جا چکی تھی۔ ہم نے جلدی جلدی کھانا کھایا۔ پھر مسز رب اور عینی بھی آ گئی۔ مسز رب اپنی ایک کولیگ سے ان کی گاڑی مانگ لائی تھیں۔ تاکہ مجھے تھوڑے سے وقت میں لاہور کی زیادہ سے زیادہ سیر کرائی جا سکے۔

"کاش رباب بھی ساتھ ہوتی۔"

میں نے کئی بار سوچا۔

پھر ہم شاہی مسجد، مینار پاکستان، شاہی قلعہ اور مقبرہ جہانگیر دیکھ کر تھکے ہارے ہوسٹل لوٹے تو رات ہو گئی تھی۔ رباب آچکی تھی اور آنکھیں موندے بستر پر لیٹی تھی۔ شاید آج اس نے زین کا بہت ذکر کیا تھا۔ اور وہ اسے بہت یاد آرہا تھا۔ اور شاید وہ تھک سی گئی تھی۔

"ربی! تم ٹھیک تو ہونا۔"

میں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں۔" وہ مسکراتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"تم نے انجوائے کیا۔"

"ہوں۔"

"کیسا لگا ہمارا لاہور۔"

"اچھا۔"

میں اس کے پاس ہی بیٹھ گئی اور بستر پر پڑا ہوا اس کے لیے خریدا ہوا سوٹ کا پیکٹ اسے دیا۔

"ربی! یہ میں نے تمہارے لیے لیا ہے۔"

"تم نے اتنا تکلف کیوں کیا فاطمہ۔"

"یہ تکلف نہیں ہے۔ ربی! یہ ان محبتوں کے شکریے کے اظہار کے طور پر ہے، جو تم لوگوں نے مجھے دیں۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ تم کبھی کراچی آؤ تو میرے پاس ضرور آنا۔ بلکہ جب زین آجائے گا تو تم زین کے ساتھ ضرور میرے پاس آنا۔ میں بھی تو تمارے زین کو دیکھوں گی۔"

"ارے ربی! تم نے فاطمہ کو زین کی تصویر نہیں دکھائی۔"

مارتھا نے اپنے سوٹ کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے اچانک پوچھا۔

"تمہارے پاس زین کی تصویر ہے۔"

میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔

"تو پھر تم نے مجھے دکھائی کیوں نہیں۔ جلدی کرو دکھاؤ۔ میں تمہارے زین کو دیکھنے کے بے تاب ہو رہی ہوں۔"

وہ اٹھی اور پھر اس نے اپنا اٹیچی کیس کھولا اور سب کپڑوں کے نیچے سے ایک براؤن لفافہ نکالا جیسے وہ کوئی بہت قیمتی متاع ہو۔ اور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے بے تابی سے اسے کھولا۔ اور ساکت سی دیکھتی رہ گئی۔

"یہ، یہ تو عثمان علی۔"

میں نے کچھ کہتے کہتے لب بھینچ لیے۔

"ہاں زین کا اصلی نام عثمان ہے۔ زین تو اس کے دوست اسے بلاتے تھے۔ دراصل زین العابدین اس کا بہت گہرا دوست تھا۔ دونوں اکٹھے ساتھ ساتھ پائے جاتے تھے۔ اس لیے سب عثمان کو زین اور اس کے دوست کو عابدین بلانے لگے تھے۔ لیکن تم۔"

وہ بات کرتے کرتے چونک گئی۔

"تم جانتی ہو اسے؟"

"ہاں۔ نہیں تو بس یونہی اس کی تصویر دیکھی تھی اخبار میں ایک بار۔"

ہاں ڈاکٹر ہے نا۔ اس کی تصویر چھپی ہو گی۔ کسی سلسلے میں شاید میں نے بھی دیکھی تھی۔ کیوں مارتھا دیکھی تھی نا۔"

"ہاں شاید۔" مارتھا نے نظریں چرالیں۔

تصویر ابھی تک میرے ہاتھ میں تھی۔ اور ایسی ہی ایک تصویر ابھی تک میری میز کی دراز میں پڑی ہے۔ اور اس تصویر کو میں نے کئی بار دیکھا۔ اور یہ تصویر ایک دن ممی نے مجھے بڑی خوشی خوشی دی تھی۔

"فاطمہ اسے دیکھ لو، یہ عثمان ہے۔ ڈاکٹر ہے۔ اس کی ممی نے کسی تقریب میں تمہیں دیکھا تھا۔ تب سے مجھے کہہ رہی تھیں۔ اور آج میں نے ہاں کر دی ہے۔ بہت پیارا بچہ ہے۔ بہت سلجھا ہوا۔ لاہور میں ہے۔ اور آئے گا تو پھر باقاعدہ منگنی ہو جائے گی۔"

لیکن وہ آیا اور اس نے آتے ہی ہنگامہ کر دیا۔ اس کی ممی شرمندہ شرمندہ سی ہمارے گھر معذرت کرنے چلی آئیں۔ اور اس کی ایک ناں نے میری ساری خود اعتمادی کو کرچی کرچی کر دیا۔ میرے اندر کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ اتھل پتھل کر دیا سب کچھ، میرے اندر احساس

کنٹری کی فصلیں اگ آئیں۔ راہ چلتے کسی سیدھی سادھی دیہاتن کو بھی اپنے دیہاتی شوہر کے ساتھ خوش خوش اور مطمئن جاتے دیکھ کر میں ایک دم خوفزدہ ہو جاتی جیسے میں بالکل اکیلی ہوں۔ بے سائبان..... تنہا۔

اور وہ عثمان علی اس کی محبت کا اسیر تھا۔

اس عام سی معمولی سی نرس کی محبت کا اسیر۔

بالکل غیر ارادی طور پر میں اس کا اور اپنا موازنہ کرنے لگی۔ تو اس سے ہزار ہا درجے زیادہ خوبصورت تھی مگر شاید محبت۔ بس محبت ہوتی ہے۔ اور پھر اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا تھا۔

ربی نے ہاتھ بڑھا کر مجھ سے تصویر لے لی۔

''کیسا لگا تمہیں زین؟''

''بہت۔ بہت اچھا۔''

میں نے آہستگی سے کہا اور پھر یکا یک مجھے کسی بات کا ادراک ہوا۔ ''ابھی ابھی تم نے کیا کہا تھا کہ تم نے بھی اس کی تصویر دیکھی تھی اخبار میں۔''

''ہاں دیکھی تھی ایک بار، بہت دن ہو گئے۔''

وہ تصویر واپس براؤن لفافے میں ڈالنے لگی۔

''کیوں اچھی تھی اس کی تصویر۔''

میں نے اسے کھوجنے کی کوشش کی۔

''یاد نہیں، بہت دن ہو گئے ہیں شاید وہ جس ہاسپٹل میں نوکری کرتا ہے وہاں کے کچھ ڈاکٹروں کی تصاویر چھپی تھیں نا تو اس کی بھی تھی شاید۔''

اس کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا۔ جو میں دیکھنا چاہتی تھی۔ ہاں میں نے بھی اس کی تصویر دیکھی تھی۔ کوئی دو سال پیشتر ایک ہی ہاسپٹل کے تین ڈاکٹر کسی ڈنر سے واپس آ رہے تھے۔ کہ کوئلوں سے بھرا ہوا ایک ٹرک ان کی گاڑی کچلتا چلا گیا تھا۔ اور کتنا المناک حادثہ تھا۔

''تو تم نے، تمہیں اس ہاسپٹل کا نام یاد نہیں ہے۔ ربی! میں وہاں جا کر تمہارے زین کا پتا کرتی۔''

''نہیں بھول گیا ہے۔''

اس نے لاپروائی سے کہا اور تصویر اٹیچی میں رکھنے لگی اور یوں ہی پیٹھ موڑے موڑے بولی۔

''تم پریشان نہ ہو فاطمہ! وہ خود ہی آ جائے گا۔ وہ بے وفا یا جھوٹا نہیں ہے۔ وہ اپنے کہے لفظوں کا مان رکھنے والا ہے۔ بس جس دن اس کی ممی نے اس کی بات مان لی۔ وہ اسی دن اپنی ممی کے ساتھ پہلی فلائیٹ سے آ جائے گا۔

''بس تم ان کی ممی کا دل نرم ہونے کی دعا کرنا۔''

میں نے مارتھا کی طرف دیکھا۔ وہ نگاہیں چرائے میز پوش کے پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ ایک دم اٹھ کر باہر چلی گئی اور جاتے جاتے کہہ گئی۔

''چائے پینے کو دل چاہ رہا ہے، بہت تھک گئے ہیں۔ تم پیو گی فاطمہ اور ربی تم بھی۔''

''ہاں۔''

وہ اٹیچی کیس بند کر کے میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ میں غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''کیا اسے پتا ہے کہ اس کا زین اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ کیا اس نے اخبار میں وہ خبر پڑھی تھی اور اگر پتا ہے تو پھر یہ انتظار کیوں کر رہی ہے۔ کس کے آ جانے کا۔''

میں متذبذب سی اسے دیکھتی رہی۔ کیا اسے پتا ہے اور یہ محض خود کو فریب دے رہی

''فاطمہ میرا انتظار کبھی تو ختم ہو گا۔'' ''بس یہ آس مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے۔''

میرا دل چاہا اسے بتا دوں کہ تمہارا انتظار فضول ہے۔ اور تمہارا زین۔

''تمہیں پتا ہے، ربی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی دنوں ہفتوں مہینوں کسی کا انتظار کرتا رہتا ہے۔

اور وہ نہیں آتا۔

وہ جس کا انتظار کیا جا رہا ہو۔

ہوں ہوتا ہو گا۔ ایسا لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہو گا۔

''فاطمہ! وہ ضرور آئے گا۔''

اس نے بڑے یقین سے کہا۔

اور میں اسے بتاتے رک گئی۔

میں کیسے اس کا یقین توڑ دوں کیسے اسے بتا دوں کہ وہ نہیں آئے گا۔ جس کا وہ انتظار کر رہی ہے۔ میں انتظار کے ان جلتے دیوں کو کیسے بجھا دوں جنہیں وہ چار سال سے اپنی ہتھیلیوں پر سجائے بیٹھی ہے۔"

اور اس کی آنکھوں میں جلتی امید اور انتظار کی قندیلیں دیکھ کر مجھے یقین سا آ گیا کہ اسے کچھ علم نہیں ہے کہ اس کا زین۔

وہ دیکھنے میں ابنارمل تو نہیں لگتی تھی۔

وہ جاب کر رہی تھی۔

اس نے میرے ساتھ کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں کی تھی جو ابنارمل ہو کیا پتا کیا خبر کبھی عثمان کی تصویر یوں ہی چھپی ہو اخبار میں اپنے ہاسپٹل کے حوالے سے کیا پتا۔ لیکن پھر مارتھا مجھ سے نظریں چرا کر باہر کیوں چلی گئی ہے۔ میں اپنے آپ سے الجھ رہی تھی کہ اس نے ہولے سے میرے کندھے کو چھوا۔

"فاطمہ! اگر کبھی کراچی میں اتفاق سے تمہیں زین نظر آ جائے تو اسے کہنا۔ میں اس کے انتظار سے تھکی نہیں ہوں۔ اور آخری سانسوں تک اس کا انتظار کروں گی۔"

"اچھا!" میں نے اسے کچھ نہ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"نہیں۔" میں اس کا انتظار ختم نہیں کر سکتی۔ میں نے سوچا اور مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اور تم بھی میرے ساتھ وعدہ کرو کہ تم اپنے زین کے ساتھ میرے پاس ضرور آؤ گی کراچی اور پھر تم دونوں میرے پاس رہنا۔ بہت سارے دن۔ میری آواز بھرا گئی۔"

"شیور۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔

"ہم ضرور آئیں گے فاطمہ۔"

اس نے وعدہ کیا اور کھڑی ہو گئی۔

"ذرا دیکھوں تو یہ مارتھا کہاں گم ہو گئی ہے۔ کھیت میں چائے تو نہیں اگانے لگی۔"

"مارتھا کی بچی، تمہاری چائے کیا ابھی تک گل رہی ہے۔" وہ زور سے پکارتی ہوئی باہر چلی گئی۔ اور میں سوچنے لگی۔

ہاں کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ کہ کوئی کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ دنوں ہفتوں مہینوں اور

سالوں سے۔

لیکن وہ نہ آئے۔ وہ جس کا انتظار کیا جا رہا ہو۔

حالانکہ اسے پتا بھی ہو کہ کہیں دور کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے۔

جیسے، جیسے زین کو پتا تھا۔ کہ وہ اس کا انتظار کر رہی ہے۔ اسے پتا ہے۔ پھر بھی وہ نہیں آئے گا۔

اور ربی اس کا انتظار کرتی رہے گی۔

جانے کب تک

جانے کب تک